

امام فخر الدین رازی کی ایک نادر تصنیف

○ ===== محمد صغیر حسنین معصومی

ابو عبد اللہ نیز ابو الفضل محمد بن عمر الرازی (المتوفی ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء) جو امام رازی و فخر رازی جیسے القاب سے مشہور ہیں تاریخ اسلام میں ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں، بلکہ امام غزالیؒ کے بعد حجۃ الاسلامؒ کہلانے کے صحیح حق دار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ اپنے زمانہ میں فلسفہ، کلام، تاریخ، تفسیر، حساب، طبیعیات اور کیمیا و نجوم میں بیگانہ عصر تھے۔ ابھی تک مستشرقین یا علمائے اسلام نے کما حقہ ان کے مؤلفات کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ ان کی سب سے مشہور تالیف تفسیر کبیر علماء میں مندرج ہے، اور اب بھی حلقہ تدریس میں ان کی شرح اشارات اور محصل کا نام لیا جاتا ہے۔ گویا بہت کم لوگ ایسے رہ گئے ہیں جو ان کتابوں کے مطالعہ کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ محصل کا پورا نام ”محصل افکار المنتقدین والمتاخرین“ ہے جو درحقیقت فلسفہ و کلام کا پنجوڑ ہے۔

امام رازی اپنی خطابت، وعظ و علمی وقار کی بدولت شیخ الاسلام جیسے لقب سے ممتاز ہوئے۔ بڑے بڑے علماء، صوفیاء، قضاة، امراء اور شاہان وقت ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کرنا فخر سمجھتے تھے۔

اشعری العقیدہ شافعی مسلک کے ایک علمی خاندان میں رے میں ۲۵ رمضان ۴۳۳ھ / ۱۰۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد ضیاء الدین عمر مشہور خطیب رے سے ابتدائی تعلیم پائی۔ یہی وجہ ہے کہ ”ابن خطیب الرے“ کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد ایک مدت تک کمال سمنانی (برولیتے: سمانی) سے علم حاصل کرتے رہے اور پھر المجد الجیلی سے فلسفہ و کلام ایک زمانے تک پڑھتے رہے، کہا جاتا ہے کہ امام الحرمین کی الشامل فی اصول الدین کے پورے حافظ تھے اور فقہ و اصول میں ان کے اساتذہ کا سلسلہ امام شافعی پر اور کلام و عقائد میں امام ابو الحسن اشعری پر منہنی ہوتا ہے۔

فلسفہ، کلام اور علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد امام رازی نے بخارا، خوارزم اور ماوراء النہر کا سفر کیا، ان مقامات کے علماء سے علمی مناظروں اور بحثوں میں اپنی قوت حافظہ، زورِ خطابت اور زورِ بیان کا لوہا منوایا، مگر عاقبت اسی میں دیکھی کہ ان مقامات سے خاموشی کے ساتھ گزر جائیں۔

امام رازی کا ابتدائی زمانہ نہایت عسرت و تنگ دستی میں گزرا تھا یہاں تک کہ حسب بیان القفطی^۲ بخارا کے ایک مدرسہ کے قیام کے زمانے میں بیمار پڑے تو ان کی زلوں حالی دیکھ کر ان کے دوستوں نے اپنے تاجر دوستوں سے زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے ان کی پریشانی حالی دور کی۔

حسب بیان ابن خلکان^۳ خوارزم سے امام رازی رے واپس آئے اور ایک بڑے مال دار طبیب کے ساتھ قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ اس طبیب کی دو بیٹیوں سے امام نے اپنے دو بیٹوں کی شادی کر دی۔ طبیب بستر مرگ پر تھا۔ شادی کے بعد ہی قضا کر گیا اور ساری دولت امام کے تصرف میں آئی۔ بظاہر اس واقعے کی صداقت موہوم ہے، اس لئے کہ اگر تعلیم کے بعد رے کی واپسی کا ذکر ہے تو اس وقت تک خود امام کی شادی اور خاندان کا پتہ نہیں لگتا، اور اگر رے کی اس واپسی سے شہر ہرات میں بلوے کے بعد رے آنا سمجھا جائے، تو اس وقت امام صاحب کی دولت کی فراوانی کا حال سب کو معلوم ہے اور طبیب کی دولت سے ان کی دولت میں اضافہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، پھر خود ان کے لڑکے اس قابل ہو چکے تھے کہ اپنی مرضی سے اس دولت کو تصرف میں لاتے، اس لئے امام لڑکوں کی دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ بنا بریں القفطی کا بیان قرین قیاس ہے کہ بخارا سے امام نے خراسان کا سفر کیا، جہاں وہ خوارزم شاہ محمد بن تکش سے وابستہ ہوئے۔ اس شاہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور بڑے اعزاز کے ساتھ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

امام رازی کی دولت کی فراوانی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ خراسان سے جب ہرات و غزنی کا قصد کیا تو ان سے دوستانہ تعلقات کی بنا پر سلطان شہاب الدین غوری نے اپنی کسی مہم کے لئے روپے کی ضرورت کا اظہار کیا تھے امام نے اپنی ساری دولت ان کے آگے لاکر رکھ دی۔ سلطان نے اپنے غزنی کے قیام میں بڑے تشکر یہ کے ساتھ یہ رقم مع مزید انعام و اکرام کے امام کے حوالے کر دی۔ اسی طرح دوسرے حکمرانوں کی مدد بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہ ایسی مثال ہے جس کی نظیر تاریخ اقوام عالم میں مشکل سے ملتی ہے۔

کرامیہ، باطنیہ اور خیالہ کے ساتھ ان کے مناظرے نے بڑی شدت اختیار کی، یہاں تک کہ ان کے فتنے سے مجبور ہو کر امام صاحب کو ہرات چھوڑنا پڑا۔ حاکم شہر کو فوج کی مدد سے امن و امان قائم کرنا پڑا۔ جب

امام صاحب رے پہنچے تو ان کے وعظ و علمی مجلسوں سے ان کے اعزاز میں چار چاند لگ گئے۔ اب تک "ابن الخطیب" کے نام سے شہرت رکھتے تھے، مگر رے کی مجلسوں کے بعد "خطیب رے" کے لقب سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوئے۔

ہرات سے گرامیہ کے استیصال کے بعد سلطان خوارزم شاہ نے پھر ان کو ہرات بلوایا اور بڑے تڑک و احتشام کے ساتھ امام صاحب کا استقبال کیا۔ امام صاحب یطی شان و شوکت سے شیخ الاسلام کے لقب کے ساتھ ہرات میں جلوہ افروز ہوئے۔ ایسی شان و شوکت کسی دوسرے شیخ الاسلام کو کبھی نہ میسر ہوئی۔ حاکم شہر حسین کارمل اعیان شہر کے ساتھ امام صاحب کو استقبال کر کے ایک بڑے جلوس میں ایوان شاہی تک لائے۔ اولین روز امام صاحب نے جامع مسجد میں درس دیا، ایک خاص مہران کے لئے رکھا گیا۔ ان کے ترکی غلام اپنی کمر سے تلواریں لگائے دو رو یا کھڑے تھے۔ دائیں بائیں اعیان و امراء سنہرا سپنی نشستوں پر جاگزیں تھے، ایک بڑا جم غفیر خاموشی کے ساتھ جمع تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بھتیجے سلطان محمود مجلس میں امام صاحب کے قریب ہی رونق افروز تھے۔ اب امام صاحب نے اپنی تقریر شروع کی، لوگ ہمہ تن گوش براواز تھے۔ اسی طرح خوارزم شاہ میں ایک بڑے مجمع میں جب وعظ فرما رہے تھے تو اثناء وعظ میں ایک کبوتری کسی شکاری پرندے سے بچتی ہوئی سیدھی امام صاحب کی گود میں آگری۔ مجمع دیکھ کر شکاری پرندہ کسی طرف نکل گیا، ان کے شاگرد ابن عنین (محمد بن نصر اللہ بن الحسین بن عنین دمشقی المتوفی ۴۹۵ھ) نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:-

جاءت سليمان الزمان حمامة والموت يبيع من جناحي خاطف
من نبال الورقاء ان محلكم حرماً وانك ملجأ للخائف

"سليمان زمانہ کے پاس کبوتری آئی بجالیکہ موت ایک اچکنے والے کے بازوؤں سے چمک رہی تھی۔ اس چڑیا کو کس نے خبر کر دی کہ آپ کا محل حرم ہے اور آپ خوفزدہ کے لئے ملجأ و ماویٰ ہیں" یہ حقیقت ہے کہ امام کے جاہ و منصب اور علمی برتری نے بہتوں کو دشمن بنا لیا۔ مورخین نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں، اور عجیب عجیب الزامات ان پر لگائے گئے ہیں۔ ان کے معاصر ابو شامہ دمشقی نے یہاں تک لکھا ہے کہ نعوذ باللہ، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی گستاخی سے باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ اپنی تقریروں میں کہتے "قال محمد النازی و يقول محمد الرازي" (محمد عربی)

نے فرمایا اور اب محمد رازی کہتا ہے۔) مگر ان کی تصنیفات ایسی یا وہ کوئی سے بالکل پاک و میرا ہیں خود یہ نادر تصنیف جس کا تعارف اس وقت مقصود ہے اس بات کی شہادت پیش کرتی ہے کہ جب بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے لکھتے ہیں: "قال صاحب الشریعة" یا "قال صاحب الشرع" یا "قال علیہ السلام"

اسی طرح امام ابن تیمیہ جو برابر اپنے رسائل میں امام رازی کے اقوال و تفسیر کی دھجیاں اڑانے میں دریغ نہیں کرتے، بطور حجت بیان کرتے ہیں کہ خود امام رازی نے اعتراف کیا ہے کہ عقلیات میں میں نے فضول وقت ضائع کیا اور طرق کلامیہ میں مفت وقت گنوا یا، حقیقی علوم قرآن پاک میں ہیں اور ان کے سمجھنے میں حقیقی علم مضمر ہے۔

یہی علامہ ابن تیمیہ ہیں جو امام رازی کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:-
 "فیه کل شیء الا التفسیر" ان کی تفسیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔ اس سخت ناقدانہ کلمے کو سن کر سنجیدہ اور حق پسند و منصف مزاج علماء سے نہ ہا گیا اور قاضی القضاة ابو الحسن علی السبکی نے فرمایا:
 "ما الامر کذا اتمامہ مع التفسیر کل شیء"۔ "مہنیں بات ایسی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں تفسیر کے ساتھ سب کچھ ہے۔" شے

شیخ صلاح الدین الصفدی کا بیان ہے کہ میں نے امام رازی کی محصل کی پشت پر دیکھا کہ کسی اہل علم دوست نے بطور نقد و تبصرہ یہ دو شعر لکھ دیئے تھے:-

محصل فی اصول الدین حاصلہ من بعد تحصیلہ اصل بلادین

بحر الضلالت والشک المبین وما فیه ناکثرہ وحی الشیطین

”محصل اصول دین میں ہے جس کا حاصل اس کے پڑھنے کے بعد اصل بغیر دین کے ہے، مگر ہیوں

کا بحر اور واضح شکوک سے پر ہے اور اس میں جو کچھ ہے شیطانوں کی وحی ہے۔“

میں نے برجستہ ان دونوں شعروں کے نیچے لکھا:-

عمیت عن فہم ما ضلت مسائلہ ونورہا قد تجلی بالبراہین

ضلت عجز الی التقليد وهو متی حقت لم تلحق امر اغیر مظنون

والناس اعداء مالہم لیرتوہ فلا بدع اذا قلت ذوحی الشیطین

”محصل جن مسائل پر مشتمل ہے تم ان کے سمجھنے سے قاصر رہے حالانکہ ان مسائل کی روشنی براہین سے چمک اٹھی ہے، عاجز آ کر تم تقلید کی طرف جھکے جب تم تحقیق کرو تو کوئی بات غیر ظنی نہیں رہتی۔ لوگ ایسی باتوں کے دشمن ہیں جن کو وہ نہیں جانتے، اس لئے کوئی نئی بات نہیں کہ تم کہتے ہو کہ یشیاطین کی وحی ہے۔ امام رازی کے عین حیات جو بھی الزامات تراشے گئے ان سب کے جواب میں خود ان کی وصیت کافی ہے، اپنی موت سے پیشتر انھوں نے اپنی وصیت لکھوائی جس میں انھوں نے اپنے کو سارے بہتانوں سے بری کیا اور آخر میں اعلان کرتے ہیں :-

”وان دینی الاسلام و متابعة محمد و صحبه و اله و عليه و عليهم السلام و ان دأبی هو القرآن العظيم و امامی السنة و علیهما المعول“ - ”یے شک میرا دین اسلام ہے اور حضرت محمد ان کے اصحاب اور آل کی متابعت ہے، اور ان پر اور ان سب لوگوں پر سلام ہو اور یے شک میرا طریقہ قرآن عظیم ہے اور میرا امام و مقتدا سنت ہے اور انہیں دونوں پر میرا بھروسہ ہے۔“

امام رازی علوم ظاہری کے ساتھ علم باطن و تصوف میں بھی یکجا روزگار تھے اور شیخ نجم الدین الکبری سے فیض باطنی حاصل کیا تھا، امام رازی اپنے علوم میں منفرد تھے۔

ان کی تصنیفات کی تعداد اچھی خاصی ہے ابن الساعی کے بیان کے مطابق مجموعی تعداد دو سو سے بالاسے۔ اکثر کتابیں خود ان کی حیات میں لوگوں میں مقبول ہوئیں اور لوگ شوق سے ان کا مطالعہ کرنے لگے، ابن ابی اصبیعہ نے اپنی طبقات میں اٹھ سٹھ کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتاب ”اعتقادات فرق المسلمین و المشرکین“ کی تحقیق کرنے والے نے چھوٹی ٹیڑھی ترازیے مؤلفات گنوائی ہیں، ان کی مہبت سے تصنیفات مختلف حکمرانوں اور بادشاہوں کے نام معنون ہیں، کیونکہ ان کی فہرہ نائش پر وہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ ان کی آخری تصنیف ان کی تفسیر ہے، جو مصر سے آٹھ ضخیم جلدوں میں بار بار چھپ کر لوگوں تک پہنچی ہے۔

علوم کے متعلق ان کا نظریہ جیسا کہ تفسیر (جلد ۸ ص ۱۳۴) اور دوسرے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے، یہ تھا کہ ”علوم نظری ہیں یا عملی۔ نظری علوم میں سب سے اشرف اور کامل ترین اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات و افعال اسماء و احکام کی معرفت ہے۔ اور یہ علوم بھی اس کتاب (قرآن پاک) سے زیادہ اکمل و اشرف کہیں نہیں ملتے۔ علوم عملی سے مقصود یا تو اعمال جوارح ہیں یا اعمال قلوب۔ اول کا نام اخلاق کی پاکیزگی و

طہارت ہے اور دوسرے کا نام تزکیۃ نفس۔ ان دونوں علوم کو بھی اس کتاب سے بہتر طور پر کسی دوسری جگہ نہیں پاسکتے۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے کہ جو اس کتاب سے بحث کرتا ہے اور اس کے ساتھ نگار ہنما ہے اس کو دنیا کی عزت اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔“

کتاب النفس والروح نے | اس مضمون کا اصل مقصد امام فخر الدین رازی کی تصنیف ”کتاب النفس والروح“ کا تعارف ہے۔ آکسفورڈ کے

زمانہ قیام میں (اکتوبر ۱۹۵۰ء تا اگست ۱۹۵۲ء) یوڈلین لائبریری کے بعض نوادرات کے دیکھنے کا موقعہ میسر ہوا، ان نوادرات میں امام لازمی کی کتاب النفس والروح نظر آئی یہ عربی مخطوط نمبر منٹ ۵۳۴ (MS. NO HUNT 534)۔ شیخ الرئیس ابن سینا کی کتاب النجاة

کے نسخے کے ساتھ مجلد ہے۔ کتاب النجاة کا یہ نسخہ نہایت صاف خوش خط اور بے حد قدیم ہے۔ اس کی کتابت کی تاریخ ۶۶۶ھ درج ہے۔ امام لازمی کی کتاب کا خط جداگانہ ہے اور آٹھویں نویں صدی ہجری کا خط معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب اوراق ”۲۵۷ الف۔ ۲۹۵ ب“ پر مشتمل ہے۔ اس حصہ میں کہیں تاریخ کتابت درج نہیں، روشنائی پھینکی ہے اور یہ حصہ گرم خوردہ بھی ہے، کتابت نے کتابت کے بعد اپنے نسخے کی صحت کے لئے مقابلہ کیا ہے اور چھوٹے ہونٹے الفاظ کو جا بجا حواشی میں درج کیا ہے۔ اولین صفحہ (۲۵۷ الف) پر حلی حروف میں ”کتاب النفس والروح وشرح

قواہم“ لکھا ہوا ہے۔ پھر کچھ فاصلے پر وسط میں چند سطروں میں باریک حروف میں محتویات کی فہرست درج ہے چونکہ راقم الحروف ان دونوں ابن باجرہ کی کتاب النفس کی تحقیق میں مصروف تھا اور علامہ ابن القیم کی کتاب الروح نیز ابن رشد کی کتاب النفس وغیرہ کی ورق گردانی مکرر کر رہا تھا، اس لئے فطری طور پر اس کتاب کے مطالعہ کا شوق ہوا، البتہ چند اوراق کے مطالعے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اس کتاب سے مجھ کو فوری طور پر ابن باجرہ کی کتاب النفس کی تحقیق میں مدد نہیں مل سکتی، اس لئے اس وقت اس کے مطالعے سے تو درگزر البتہ امام رازی کی نسبت سے اس کی اہمیت دماغ میں جاگزیں رہی۔

حسن اتفاق کہئے یا سوء اتفاق کہ ابن باجرہ کی کتاب النفس کی تحقیق میں نے اس امید پر مشروع کی تھی کہ برلین کا نسخہ جس کو اہلورڈ نے (AHLWARDT: NO. 5060) اپنی فہرست میں ذکر کیا ہے اور جس کو ہمارے پیشرو پروفیسر آسین پلاسیوز (ASIN PALACIOS) نے ابن باجرہ کے

بعض رسائل (رسالة النبات - رسالة الوداع اور رسالة الاتصال) کے نشر کرنے میں استعمال کیا تھا، مجھ کو بھی مل جائے گا۔ اور اس طرح کام آسان ہو جائے گا، مگر آخری جنگ عظیم کے دوران اس لائبریری کی بہت سی کتابیں مختلف جگہوں میں بغرض حفاظت منتقل کر دی گئیں اور ان کے ساتھ اس کا نسخہ بھی کہیں بھیج دیا گیا اور باوجود کوششوں کے اس کا پتہ نہیں چلا۔ اس زمانے میں کام کی دشواری کے خیال سے یہی خواہ پر و فیروں کا خیال ہوا کہ اپنی تحقیق کے لئے کسی دوسری کتاب کا انتخاب کروں، اس وقت امام رازی ہی کی کتاب النفس والروح کو ذہن میں رکھا تھا، پھر بہت کے ساتھ جب دشواریوں کے حل کے طریقے منکشف ہو گئے تو اس کی نوبت نہ آئی کہ دوسری کتاب منتخب کرتا۔

اسی اثناء میں استاذی مرحوم مولوی عبدالسبحان ایم اے (علیگ؟ بی، لیٹ (آکسفورڈ) (لیکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی) نے خواہش ظاہر کی کہ کوئی اچھی نادر کتاب ہوتی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کرنا تو خوب ہوتا، چونکہ علم کلام ان کا مضمون تھا اس محظوظ کا فوٹو ان کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا گیا البتہ تصویر صاف نہ آنے کی وجہ سے انگلستان سے مراجعت کے چند سالوں بعد انھوں نے مجھے دیا کہ نقل کر کے پیش کروں۔ ۱۹۵۸ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا اور یہ محظوظ جوں کا توں پڑا رہا۔

۱۹۶۳ء کے اواخر میں مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی میں تقرری کے بعد منجملہ دوسرے کاموں کے اس کتاب کی تحقیق و ترجمہ کا خیال ہوا۔ مجد اللہ ۱۹۶۵ء میں اس کا ترجمہ اور ایڈیشن اختتام کو پہنچا عربی حصہ طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے البتہ انگریزی حصہ مع مقدمہ حواشی پریس میں ہے اور معتد بہ حصہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے انتہام سے چھپ چکا ہے جو بہت جلد، انشاء اللہ نشر و اشاعت کی منزل سے درگزرے گا۔ اس محظوظ کے نظر آنے پر امام رازی کی تصانیف کی فہرستوں میں تلاش کے بعد حاجی خلیفہ کی ذیل کی عبارت نظر آئی: "وصنف الامام فخر الدین محمد بن عمر الرازی کتابا فی النفس والروح لخصه محمد العلانی ورتب علی اتمام"۔

"نفس و روح کے موضوع پر امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے ایک کتاب لکھی، جس کی تلخیص محمد علانی نے کی اور اس کو چند قسموں میں مرتب کیا۔"

دوسرے مورخین نے ان کے مؤلفات میں "کتاب الاخلاق اور کتاب النفس" کا ذکر کیا ہے۔ موجودہ فہرستوں میں کتاب الاخلاق کا کھوج نہیں ملتا۔

لے اردو ترجمہ کی اشاعت ادارہ معارف ملی کے پیش نظر ہے۔

معهد المخطوطات جامعۃ الدول العربیہ، قاہرہ میں امام رازی کی طرف دو رسالے کتاب النفس کے نام سے منسوب ملے، ایک کا وجود وائیکان (روم) میں دوسرے کا وجود دارالکتب المصریہ میں بتایا گیا ہے، دارالکتب المصریہ کے رسالے کا اعتبار اس وجہ سے نہ آیا کہ وہ صرف دس اوراق میں ہے، جب اس کا فوٹو آیا تو ظاہر ہوا کہ وہ کتاب النفس للارسطو پر ابن سینا کے حواشی و تعلیقات تھے جن کو عبدالرحمن بدوی نے ارسطو عند العرب میں شائع کر دیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس غلط ماترک و فلم آ گیا ہے۔

(معهد المخطوطات لفتاؤد سید ص ۲۱۸ نمبر ۱۸۱ مخطوط البلدیہ ۳۳۳۶ - ۱۰۰۰)

وائیکان کا رسالہ بھی ہمارے پیش نظر ہے اور یہ امام رازی کے بہت بعد کی تالیف ہے ذیل کی عبارت خود شاہد ہے کہ یہ رسالہ امام رازی کے قلم سے نہیں ہو سکتا۔

(الورقة ۳ و) "..... الثاني انه (الروح) جوهر لطيف نوراني مدرک الجزئیات و

الکلیات حاصل فی البدن متصرف فیہ غنی عن الاغتناء بری عن التخل والنماء وهذا اختصار فخر الدین الرازی وشمس الدین السمرقندی من العلماء المتأخرین"

عبارت بالا میں "فخر الدین رازی اور شمس الدین سمرقندی کا پسندیدہ" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کی تالیف ان دونوں حضرات کے عہد کے بعد ہوئی۔ اس کتاب میں کل اٹھارہ اوراق ہیں اولین ورق کے دوسرے صفحے پر کتاب کا نام اس طرح مرقوم ہے :-

"فیہ رسالۃ فی الروح والنفس" (اس میں روح و نفس کے بارے میں ایک رسالہ ہے) مصنف کا نام کہیں مذکور نہیں اولین ورق کے دوسرے صفحے میں کتاب کی ابتدائی سطریں صاف بتاتی ہیں کہ مصنف اہل سنت و الجماعت سے تعلق رکھتا ہے اور متکلمان ذوق رکھتا ہے اور تعصب سے آزاد ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم وہ نستعین۔

"الحمد لله رب العالمین و صلی الله علی محمد خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ من الانصار و المهاجرین اما بعد فهذه رسالة مشتملة علی فوائد جلیلة من بیان ماهیة الروح و الحیوة و النفس و العقل و اقسامها و آدابها و هی مرتبة علی فضلیین وستة عشر رجتا والله الموفق للصواب، الفصل الاول فی الروح فیہ عشرة ابحاث" الخ۔

ظاہر ہے کہ یہ کتاب بھی مختلف ہے اور اس کی نسبت امام رازی کی طرف صحیح نہیں۔ اس کا ذکر مشہور

ایٹالین مستشرق لیوی دل ویدہ (LEVI DELLA VIDA) نے خزانہ واتیکان کے مخطوطات کی فہرست میں کیا ہے جس کا نمبر ۲۹۹ (VAT ARABO 299) اور اوراق ۱۰۸-۱۲۴ ظہر شامل ہے۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بروکلیمان نے امام کا ذکر کیا ہے۔ مگر وہ اس کتاب کا ذکر کہیں نہیں کرتا، ان کے دور رسالوں کا جو نفس سے متعلق ہیں، حوالہ دیتا ہے۔ ایک رسالہ فی النفس اسکندریہ کے کتب خانے میں ہے، جس کا نمبر الفنون ۱۵۵ ہے اور مجموعہ میں پانچواں رسالہ ہے۔ دوسرا ”رسالہ فی النفس و تحقیق زیارۃ القبور“ استامبول میں الفلاح کے کتب خانے میں نمبر ۲۶۴۵ ہے اور مجموعہ میں چوتھا رسالہ ہے مگر یہ دونوں رسالے حجم کے لحاظ سے، ظاہر ہے کہ مختلف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(C. BROCKELMANN: GESCHICHTE DER ARABISCHEN LITTERATUR,
I. P. 507, S. I. P. 923.)

امام رازی کی کتاب النفس والروح کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی نسبت امام صاحب کی طرف بالکل صحیح ہے کتاب کی شرح میں کچھ مترادف عبارتیں تفسیر اور دوسری کتابوں سے نقل کر دی گئی ہیں جن سے ان کی تصنیف ہونے میں کوئی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

البتہ اس کتاب کے ابتدائی جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب درحقیقت علم الاخلاق سے بحث کرتی ہے یوں تو نفس و روح کی بحثیں آجاتی ہیں مگر خود ان کے الفاظ یہ ہیں: ”أما بعد فهذا الكتاب في علم الاخلاق، مرتب على المنهج البرهاني اليقيني لأعلى الطرق الخطابي الاتنامي، نسأل الله ان يجعله سببا للنفع العظيم في الدارين والسعادة في المنزلةين“

اس عبارت سے عیاں ہے کہ اس کتاب کو کتاب الاخلاق کہنا زیادہ موزوں ہے۔

اس کتاب کے مضامین و دھروں میں منقسم ہیں: قسم اول میں علم الاخلاق کے اصول کلیہ سے بحث کی گئی ہے اور اس میں بارہ فصلیں ہیں۔

پہلی دو فصلوں میں مراتب موجودات میں انسان کے مرتبے سے بحث کی گئی ہے، تیسری فصل میں الروح البشري کے مراتب بیان کئے گئے ہیں، چوتھی فصل میں جوہر نفس کی ماہیت سے بحث ہے۔ پانچویں فصل میں کتاب الہی کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نفس غیر جسد ہے۔ چھٹی فصل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جوہر نفس کا تعلق قلب سے ہے اور پھر جالینوس اور اصحاب ارسطو کے اس نظریے سے بحث ہے

کہ اعصاب کا مثبت کیا ہے ؟ جالیئوس کا نظریہ ہے کہ اعصاب کا مثبت دماغ ہے، اور ارسطو طالیسی حکماء کا کہنا یہ ہے کہ اعصاب کا مثبت قلب ہے دماغ نہیں۔ جانین کی دلیلوں کی وضاحت کی گئی ہے، جن کی تفصیل اس شرح و بسط کے ساتھ دوسری متعلقہ کتابوں میں نظر سے نہیں گزری۔

ساتویں فصل میں قولائے نفس کی تشریح ہے، آٹھویں میں الفاظ نفس، عقل، روح اور قلب کی تشریح ہے۔ نویں فصل میں قولائے نفس کو جو نسبت جوہر نفس کے ساتھ ہے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ دسویں فصل میں نفس ناطقہ، گیارھویں میں لذات عقلیہ، اور بارھویں میں لذات حسیہ کے تفصیلی بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری قسم میں خواہش انسانی (شہوت) کے متعلقات کے علاج سے بحث کی گئی ہے۔ یہ چند فصلوں پر مشتمل ہے جن کے مضامین حب مال، اکتسابِ سعادتِ روحانیہ توسط المال، حرص و بخل، علاجِ بخل، حقیقتِ بخل وجود، جاہ، علاجِ حبِ جاہ، ریا، علاجِ ریا اور طاعات پر مشتمل ہیں۔

اگرچہ کائنات کی تقسیم امام رازی نے فلاسفہ اسلام کے طریقے پر کی ہے مگر اخلاقی نظریوں کی تشریح میں اسلامی تعلیمات کا عنصر غالب ہے۔ یہ ایک پچھلے مسلمان کی طرح قرآن پاک و احادیث نبویہ سے اپنے نتائج اخذ کرتے ہیں۔

اخلاقی مسائل کی تشریح و توضیح میں علاوہ دوسرے یونانی اور مسلمان مصنفین کی کتابوں کے انھوں نے خاص طور پر امام غزالی کی احیاء علوم دین سے استفادہ کیا ہے۔

یہ حقیقت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے یونانی، ہندوستانی اور ایرانی علوم کا مطالعہ کیا اور ہمیشہ اس بات کے کوشاں رہے کہ ان علوم میں اپنے اساتذہ سے گوئے سبقت لے جائیں۔ یونانی علوم میں ان کا درکن الحقیقت بہت وسیع تھا اور سچ پوچھتے تو ان کے کارنامے انہیں علوم میں سب سے زیادہ رہے ہیں۔ اگر ہم رسائلِ اخوان الصفا، یعقوب الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن باجر، ابن طفیل، ابن رشد اور مشرق و مغرب میں ان کے متبعین کی تصنیفات کا ناقدرانہ مطالعہ کریں تو اس دعویٰ کی شہادت مل جاتی ہے کہ مسلمانوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ان اجنبی علوم کو اپنے اسلامی سانچے میں ڈھال دیا۔ انھوں نے محض ان کے علمی اور فلسفیانہ اصلاحات و عبارات ہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے اسلامی افکار و خیالات کے اظہار کے لئے انھوں نے ان کے دقیق و نامانوس اصطلاحات کو اسلامی اصطلاحات و عبارات کے

سانچے میں منتقل کر لیا۔

چونکہ امام رازی کو اپنے زمانے کے مختلف الحیال اور مختلف المذہب لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لئے انہوں نے معتزلہ، باطنیہ کرامیہ اور حنابلہ کے بعض نظریات کا رد بڑی سختی سے بیان کیا ہے۔ ان کے زور بیان، قوتِ خطابت اور دلچسپ منطقی پیرایہ بیان سے بہت سے لوگ تائب ہو کر اہل سنت والجماعت میں آکر شامل ہو گئے اور اپنی تحریروں نیز تقریروں سے عالم اسلام میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کی کتابیں ان کے عین حیات مقبول عام ہوئیں اور غزالی، خوارزم شاہ، رے، دمشق نیز دوسرے مشہور شہروں کے مدارس میں داخل نصاب ہوئیں۔

ان کی کتابیں سلاستِ بیان، زورِ دلائل، معقول و منقول براسمین کی وجہ سے متقدمین اور خصوصاً امام غزالی کی کتابوں کے مقابلے میں زیادہ پسند کی جانے لگیں۔ ان میں اسلامی اور یونانی علوم کی تشریح و وضاحت بوجہ احسن بیان ہوئی ہیں اور یہ مذہبی علوم کی بہترین وضاحت پر مشتمل ہیں، دوسرے الفاظ میں یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہو گا کہ امام غزالی نے مذہبی علوم کی عقلی تشریح و وضاحت شروع کی، اور یہ کام امام رازی کے طویل کارناموں میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کام میں ابن سینا کی طویل و مختصر کتابوں نے بڑی حد تک امام رازی کا ہاتھ ڈبایا، اگرچہ ان پر امام راغب اصفہانی ابوالبرکات بغدادی اور دوسرے معاصر مفکرین کی تالیفات کا اثر بھی ظاہر ہے۔

بہر کیف اپنی کتابوں اور تالیفات میں امام رازی کا نقد و تبصرہ نمایاں ہے، یہ فلاسفہ کے آراء و براسمین کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہیں، اور خاص کر ابن سینا کے مؤلفات پر جو اس زمانے میں اہل علم حضرات میں عام طور سے متداول تھے، ان کی نگاہ بڑی تیز ہے۔ ابن سینا کے آراء کی تنقید نے خاص طور پر شیعہ مفکرین کے احساسات کو ہمیز لگائی، چنانچہ نصیر الدین طوسی اور صدر الدین شیرازی کی تالیفات شاہد ہیں کہ یہ امام رازی کو کبھی معاف نہیں کرتے۔

نوٹ

۱۔ ان کے حالات کے لئے دیکھیے: ابن السامی: عنوان التاریخ جلد ۸ ص ۳۰۷، البیاضی:

مرآة الجنان ج ۴ ص ۷، ابن العاد: شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۱، السبکی: طبقات

- ١ الشافعية الكبرى ج ٥، ص ٣٥ - ابوشامة المقدسي: تراجم رجال القرنين السادس والسابع
 قاهرة ١٩٣٤، ص ٧٨ - ابن العمري: تاريخ مختصر الدول - بيروت ١٩٥٨، صفحات ٢٣٠ و
 ٢٥٣ - ذهبى: ميزان الاعتدال ج ٢ ص ٢٢٣ - ابن خلدان: وفيات ج ١ ص ٢٤٣ - ابن
 ابى اصيبه: طبقات اطباء ج ٢ ص ٢٥ - ابن حجر: لسان الميزان ج ٣ ص ٣٢٤ - طاشق كبرى
 زادة: مفتاح العادة ج ١ ص ١٥٠ - حاجى خليفه: كشف الظنون ج ٢ ص ٣٩٣ - خير الدين
 الزركلى: الاعلام: ج ٤ ص ٢٠٣ - خواند مير: حبيب السير حيدر مى ايران ١٣٣٣ ش ج ٢
 ص ٣٣١، بروكلمان (C. BROCKELMANN) تاريخ الادب العربي ج ١ ص ٧٧٧، ضميمه ج ١
 ص ٩٢٠ (GESCHICHTEDES ARABISCHEN LITTERATURE, I, 666, S. I. P. 920)
 سارطن (SARTON): مقدمته تاريخ سائنس (INTRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE)
 (SHORT
 ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM, PP. 470 - 71): (H. A. R. GIBB)
 THE CONTROVERSIES,
 OF FAKHR-AL-DIN RAZI: (PAUL KRAUS) مقالته پال كراؤس
 اسلامك كليج، حيدرآباد، اپريل ١٩٣٨، ص ١٣١-١٥٣: عبد السلام ندى: امام رازى، ١٩٥٠، عصفه
 ٢ القفطى: تاريخ الحكماء، ليبيك، تحقيق جوليس لىپرت (JULIUS LIPPERT) ص ٢٩١ -
 ٣ وفيات الاعيان: تحقيق محمد محى الدين عبد الحميد، النهضة المصرية، القاهرة ١٩٣٨، ج ٣ ص ٣٨٢
 ٤ وفيات الاعيان نفس مصدر -
 ٥ تراجم رجال القرنين، تصحيح زاهد الكوشى قاهرة ١٩٣٤، ص ٧٨ - وسيط ابن الجزرى:
 مرآة الزمان، حيدرآباد، ج ٨ ص ٥٣٢ -
 ٦ الرازى: كتاب النفس والروح
 ٧ مجموعة الرسائل الكبرى، المطبعة العامة الشرقية بمصر ١٣٣٣، ج ١ ص ١٠٩:
 كما قال الرازى مع انه من اعظم الناس طعناتى الادلة السمعية حتى ابتداء قولا
 ما عرف به تائل مشهور عنيد وهو انها لا تفيد اليقين ومع هذا فانه يقول: لقد
 تأملت الطرق الكلامية والنائج الفلسفية فبما رايتها تشفى عليلا ولا تروى
 غليلا، ووجدت اقرب الطرق طريقة القرآن، اقترأ فى الاثبات اليه يصعد

انکلمہ الطیب الرحمن علی العرش استوی، واقراء فی النفس لیس کمثله شیء ولا یحیطون بہ علما، قال ومن جرب مثل تجربتی عرف مثل معرفتی۔

۸۰ صلاح الدین الصفدی: الوافی بالوفیات ج ۴ ص ۲۵۴۔

۹ ابن الساعی: الجامع المختصر فی عنون التواریخ وعیون السیر، تحقیق مصطفیٰ جواد، بغداد ۱۹۳۳ء ج ۹ ص ۳۰۰، وابن الاثیر، تاریخ الکامل، الکتبى العامة مصر، ۱۳۹۵ھ ج ۱۲، ص ۸۹

۱۰ کتاب النفس والروح کے نام سے متعدد تصنیفات متقدمین و متاخرین کے یہاں ملتی ہیں محدثین نے نفس اور روح کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں الفاظ قرآن حکیم میں خود اللہ جل شانہ کی اضافت کے ساتھ واقع ہوئے ہیں؛ و یحذرکم اللہ نفسه، فنفخت فیہ من روحی۔ اپنی کتاب الروح میں علامہ ابن قیم الجوزی نے مشہور محدث ابو عبد اللہ بن مندہ الحافظ کی کتاب النفس والروح کا ذکر کیا ہے (دائرة المعارف العثمانیة، طبعہ ثالثہ، ۱۳۵۴ھ ص ۳۶) خود علامہ ابن قیم نے فخریہ اپنی کتاب معرفة الروح والنفس کا ذکر کیا ہے۔ (نفس المصدر ص ۴۶)۔

۱۱ قد ذکرناہا فی کتابنا الکبیر فی معرفة الروح والنفس

۱۲ دیکھیے: شرح الاشارات، شرح عیون الحکمة اور اسفار اربعہ۔

